15.2 ناول کی تعریف

کسی بھی صنف ادب کی جامع اور مانع تعریف کرنا ممکن نہیں۔ ناول کی تعریف اس لیے اور بھی مشکل ہے کہ یہ بے حد وسیع اور لچک دار صنف ادب ہے۔ اسی وجہ سے ای۔ ایم۔ فورسٹر نے اپنی کتاب Aspect of the Novel میں ناول کی تعریف یہ کی ہے کہ ایک خاص طوالت کا نثری قصہ ناول ہے۔ ہنری جیمس نے ناول کی تعریف یوں کی ہے:

''ناول اپنی وسیع ترین تعریف میں زندگی کا شخصی اور راست اثر ہے''

(The Future of the Novel, P.9)

ان دونوں تعریفوں سے ناول کے حدود کا تعین نہیں ہوتا۔ فورسٹر کا ناول کو ایک خاص طوالت کا نثری قصہ کہنا ایسا ہے جس میں ہر قسم کا نثری قصہ شامل ہو جاتا ہے خواہ وہ داستان ہو، تمثیلی قصہ ہو یا افسانہ۔ ہنری جیمس کی تعریف سے ناول کی ایک خاص خصوصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ یہ کہ ناول کا حقیقی زندگی سے جو تعلق ہے وہ پوری طرح ظاہر ہوتا ہے اور یہ کہ ناول میں جو روزمرہ کی اور عمومی زندگی کی پیش کش ناول نگار اپنے شخصی نقطۂ نظر سے جس طرح کرتا ہے اس کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ ورجینا وولف نے ناول کی اہم خصوصیات کا احاطہ یوں کیا ہے:

''ناول انسانوں کے متعلق لکھے گئے ہیں۔ اس لیے وہ ہمارے اندر ایسے ہی احساسات ابھارتے ہیں جیسا کہ انسان حقیقی دنیا میں ابھارتے ہیں۔ ناول فن کی وہ واحد ہیئت ہے، جس کی واقعیت ہم کو یقین کرنے پر مجبور کرتی ہے یعنی وہ حقیقی انسان کی زندگی کا بھرپور اور صداقت شعارانہ ریکارڈ پیش کرتا ہے۔''

(The Granite And Rainbow, P.141)

کلار یوز کے کہنے کے مطابق:

''روزمرہ آنکھوں کے سامنے ہونے والے واقعات کو مانوس اور مربوط انداز میں پیش کرنے کا نام ناول ہے۔''

(Novelist On The Novel, P.45)

ڈیوڈ سیسل ناول کو ایک ایسا فنی کارنامہ قرار دیتا ہے جو ہم کو ایک ''زندہ دنیا'' سے متعارف کرتا ہے۔ لیکن یہ دنیا ہماری اپنی دنیا سے ''مشابہ'' بھی ہو اور اپنی ایک ''الگ انفرادیت'' بھی رکھتی ہو۔ (Hardy The Novelist, P.13) پرسی لبک نے ناول کو ''زندگی کی تصویر'' یا ''زندگی کی شبیہہ'' قرار دیا ہے۔ (The Craft of Fiction, P.9) پروفیسر بیکر کے کہنے کے مطابق ناول میں زندگی کی ترجمانی ہوتی ہے۔ ایک سائنٹفک فلسفیانہ یا کم از کم ایک ذہنی تنقید حیات ہوتی ہے۔ یہ نثر میں ہوتا ہے۔ اس میں حقیقی زندگی کی ہو بہو تصویر یا اس سے مشابہ تصویر ملتی ہے۔ ناول کے واقعات مربوط ہوتے ہیں۔ اسکاٹ جیمس کے کہنے کے مطابق ناول میں ان باتوں کو پیش کیا جاتا ہے جو زندگی کی جیسی ہوتی ہیں یا اس کے مطابق ہوتی ہیں۔ (The Making of Literature, P.65) انتھونی ٹرولوپ کے نزدیک ناول ایک ایسی تصویر ہے جس میں عام زندگی کی مسرت اور غم دکھائے جاتے ہیں تاکہ وہ تصویر جاندار نظر آئے۔ اس تصویر کو اگر قابل توجہ بنانا ہے تو اسے بہت وسیع اور حقیقی شبیہوں سے معمور ہونا چاہیے۔

(Writers on Writing, P.123)

REDMI NOTE 6 PRO
MI DUAL CAMERA

Scanned with CamScanner

ناول کے بارے میں جو مختلف تعریفیں اور نظریے ملتے ہیں ان سے ناول کیا ہے؟ اس کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ ناول میں حقیقی زندگی کی اسی مشابہت کی وجہ سے اس کے اجزائے ترکیبی میں حسب ذیل باتیں ملتی ہیں:

1- کہانی 2- پلاٹ 3- کردار 4- مکالمے 5- پس منظر یا زماں ومکاں 6- اسلوب 7- نقطۂ نگاہ۔

اوپر بیان کردہ اجزا میں سے پانچ تو انسانی زندگی میں لازمی ہیں لیکن جب ان کو بیان کیا جاتا ہے تو اسلوب اس میں شامل ہو جاتا ہے اور پھر بیان کرنے والے کا نقطۂ نظر یا فلسفۂ حیات بھی اس کا لازمی جزو بن جاتا ہے۔ ناول کی تمام تعریفوں اور اس کے تعلق سے تمام بیانات انگریزی یا مغربی کتابوں ہی سے لیے گئے ہیں۔ اس لیے کہ ناول کا لفظ انگریزی کا ہے اور ناول کے بارے میں انگریزی اور مغربی ادب میں جیسا اور جتنا لکھا گیا ہے اردو میں پہلے تو اتنا اور ویسا لکھا نہیں گیا ہے اور جتنا بھی لکھا گیا ہے وہ بھی وہیں سے لیا گیا ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. Aspect of the Novel کا مصنف کون ہے؟ ای۔ ایم۔ فورسٹر

2. ناول کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟

3. ناول کس زبان کا لفظ ہے؟ اطالوی

15.3 ناول کے اجزائے ترکیبی

ہر صنف ادب کی طرح ناول کے بھی چند اجزا ہیں جن کی شمولیت سے اس صنف ادب کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ ذیل میں یہ عناصر ترکیبی درج کیے جارہے ہیں۔

15.3.1 کہانی

کہانی کہنا اور کہانی سننا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ کہانی سے انسان کا ازلی اور ابدی واسطہ ہے۔ شاید اس لیے کہ ہر انسان کی زندگی ایک کہانی ہی ہوتی ہے۔ کہانی اور قصے مقدس کتابوں میں بھی ملتے ہیں۔ کہانی سے بہ یک وقت دو باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ کہانی سے مسرت یا تفریح حاصل ہوتی ہے اور کہانی ہی سے بصیرت یا درس بھی حاصل ہوتا ہے۔ تمام افسانوں میں یا پورے افسانوی ادب میں کہانی بیان ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ای۔ ایم۔ فورسٹر نے کہانی کو ناول کی ''ریڑھ کی ہڈی'' کہا ہے۔ ریڑھ کی ہڈی کے بغیر جس طرح انسان چل سکتا ہے نہ کوئی کام کرسکتا ہے۔ اسی طرح کہانی کے بغیر ناول آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کہانی سننے کے لیے ہی ناول پڑھے جاسکتے ہیں۔ ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ بیان کرنا اصل میں کہانی کہنا ہے۔ کہانی میں دلچسپی اور تحیّر اس کی بنیادی خصوصیت ہے۔ کہانی ہمارے جذبۂ تجسس کو بیدار اور باعمل رکھتی ہے۔ کہانی میں واقعات زمانی ترتیب کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔ ہر ایک ناول میں کہانی بیان کی جاتی ہے۔ ہر کہانی کہنے والا اپنے انداز میں کہانی بیان کرے گا۔ اچھی کہانی عام طور پر وہی سمجھی جاتی ہے جس میں دلچسپی ہو جس کو سننے سے ایک طرح کی مسرت حاصل ہوتی ہے لیکن اعلیٰ درجے کی کہانی میں مسرت کے ساتھ ایک نئی آگہی بھی حاصل ہوتی ہے۔

کہانی یوں تو ہر افسانوی صنف میں بیان ہوتی ہے لیکن ناول میں حقیقی زندگی کی کہانی پیش کی جاتی ہے۔ ناول کی کہانی ہم کو ایک مانوس اور جانی پہچانی دنیا میں پہنچاتی ہے۔ ناول میں جتنا چاہے کہانی کو طول دیا جاسکتا ہے۔ ایک ناول نگار دوسرے ناول نگار سے الگ اور مختلف اس بنا پر بھی ہوتا ہے کہ ہر ایک ناول نگار کا کہانی کہنے کا طریقہ الگ اور مختلف ہوتا ہے۔ اردو میں کہانیاں ادب کی ابتدا سے کہی جارہی ہیں لیکن نئے انداز کی کہانیاں جو حقیقی زندگی کا عکس ہوں۔ انگریزی اور مغربی ادب سے متاثر ہو کر کہی جارہی ہیں۔ ہمارے پہلے ناول نگار نذیر احمد نے بھی انگریزی میں جو نئے انداز کے قصے لکھے جارہے تھے انہی سے متاثر ہو کر اپنے ناولوں میں نئے انداز کے قصے یا کہانیاں بیان کی ہیں جو حقیقی زندگی سے مشابہ ہوتے ہیں۔

REDMI NOTE 8 MI DUAL CAMERA

Scanned with CamScanner

15.3.2 پلاٹ

پلاٹ اور کہانی میں ذرا سا فرق ہے۔ لیکن یہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کہانی میں واقعات کی ترتیب اور ایک واقعہ کا دوسرے واقعہ سے ربط پلاٹ کہلاتا ہے۔ ای۔ ایم۔ فورسٹر نے بڑی خوبی سے اس فرق کو واضح کیا ہے۔ کہانی میں واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ کہانی کی مثال یہ ہے کہ ایک راجا تھا' ایک رانی تھی' پہلے راجا کا انتقال ہوا پھر رانی کا انتقال ہوا۔ اس کہانی میں پلاٹ اس وقت ہوگا جب اس کو یوں بیان کیا جائے۔ ایک راجا تھا' ایک رانی تھی۔ پہلے راجا کا انتقال ہوا اور راجا کے انتقال کے صدمے سے رانی کا انتقال ہوا۔ اسی پلاٹ کو پراسرار اس طرح بنایا جاسکتا ہے اگر اس کو یوں کہا جائے کہ راجا کا انتقال ہوا اور پھر رانی کا انتقال ہوا لیکن یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ رانی کا انتقال کیوں ہوا۔ لیکن لوگوں نے جب جستجو کی تو یہ راز کھلا کہ رانی اپنے راجا کے انتقال کے صدمے کو برداشت نہیں کرسکی اور اسی غم میں اس کا انتقال ہوا۔ اس طرح پراسراریت شامل کرکے پلاٹ کو پیچیدہ بنایا جاسکتا ہے۔ پلاٹ کے واقعات کو مختلف انداز سے ترتیب دیا جاسکتا ہے۔ ناول میں پلاٹ کی ترتیب و تنظیم کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ کہانی اور زندگی کی پیش کش کے لحاظ سے پلاٹ مختلف طور پر مرتب اور منظم کیا جاسکتا ہے۔

پلاٹ جتنا گٹھا ہوا اور مربوط ہوگا اسی قدر وہ اچھا سمجھا جاتا ہے۔ انگریزی اور مغربی ناولوں سے جب واقفیت بڑھی تو ہمارے ناول نگاروں نے بھی بہت اچھے پلاٹ کے ناول لکھے۔ خود نذیر احمد کے ناولوں میں ان کے ابتدائی دو ناولوں یعنی 'مراۃ العروس'' اور ''بنات النعش'' میں اچھا پلاٹ نہیں ملتا لیکن ان کے بعد کے ناولوں میں پلاٹ زیادہ بہتر ہیں۔ رتن ناتھ سرشار کے ''فسانۂ آزاد'' میں بہت ہی ڈھیلا ڈھالا پلاٹ ملتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے انہوں نے انیسویں صدی کی لکھنوی زندگی کو بے حد وسیع انداز میں پیش کیا ہے۔ سرشار نے ''ڈان کوئکزوٹ'' کا ترجمہ ''خدائی فوج دار'' کے نام سے کیا تھا۔ اسی سے متاثر ہوکر انہوں نے ''فسانۂ آزاد'' لکھا تھا۔ عبدالحلیم شرر نے سر والٹر اسکاٹ کے ناولوں کا راست طور پر مطالعہ کیا تھا۔ اسی سے متاثر ہوکر انہوں نے اپنے تاریخی ناول لکھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول ''فردوس بریں'' میں بہترین اور بہت چست پلاٹ ملتا ہے۔ رسوا بھی انگریزی سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمے میں وہ مدت تک کام کرتے رہے اور کئی انگریزی علمی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ انگریزی ناول انہوں نے نہ صرف پڑھے بلکہ ان کتابوں کا آزاد ترجمہ انہوں نے کیا تھا۔ ان کے جاسوسی انداز کے ناول' انگریزی ناولوں سے ماخوذ تھے۔ اسی کا نتیجہ ان کا شاہ کار ناول ''امراؤ جان ادا'' ہے۔ اس کا پلاٹ اتنا مربوط اور چست ہے کہ اردو کے بہت کم ناولوں میں ایسا بہترین پلاٹ ملتا ہے۔ لیکن پلاٹ بہتر ہونا ہی ایک اچھے ناول کے لیے ضروری نہیں ہوتا۔ بعض وقت زندگی کو بہت وسیع پیمانے پر پیش کرتے ہوئے ناول نگار پلاٹ کے مربوط اور منظم ہونے کی پروا نہیں کرتا۔ پلاٹ کی کمی یا کمزوری کی تلافی زندگی کو بہت وسیع انداز میں پیش کرنے سے پوری ہوجاتی ہے۔ اسی وجہ سے پرسی لبک نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب "The Craft of Fiction" میں یہ بات کہی ہے کہ بعض وقت معمولی درجے کے ناول نگار پلاٹ سازی میں قدرت پیدا کرلیتے ہیں۔ صرف اسی وجہ سے ناول نگاری میں ان کا درجہ بلند نہیں ہوتا۔ اسی لیے پلاٹ کا بہترین ہونا کسی بھی ناول کے بڑے ہونے کی ضمانت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ناول کا مجموعی تاثر ہی اس کا درجہ متعین کرتا ہے۔

15.3.3 کردار

کہانی اور پلاٹ کے بعد ناول کے اجزائے ترکیبی میں کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کردار کے بغیر نہ تو کہانی بیان کی جاسکتی ہے نہ پلاٹ کی تعمیر ہوسکتی ہے۔ ناولوں میں عام طور پر انسانی کردار ہی پیش کیے جاتے ہیں۔ انسانی زندگی کے اہم ترین حقائق پانچ ہیں۔ پیدائش' غذا' نیند' محبت اور موت۔ پہلی اور آخری حقیقت ہمارے لیے ہمیشہ راز سربستہ رہتی ہے۔ یہ دونوں حقیقتیں ہمارے تجربے میں تو آتی ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارے تجربے سے باہر رہتی ہیں۔ ان دونوں حقائق کے بارے میں ہم نہ تو کچھ جانتے ہیں نہ ان کے بارے میں بتا سکتے ہیں۔

غذا اور نیند بھی ہماری زندگی کی دو اہم حقیقتیں ہیں۔ روزانہ ہم چوبیس گھنٹوں میں سے آٹھ گھنٹے سونے میں گزار دیتے ہیں۔ اور دو تین گھنٹے کم از کم کھانے میں' مجموعی طور پر دس گھنٹے نیند اور غذا کی نذر ہوجاتے ہیں۔ صرف چودہ گھنٹے روزانہ ہم کو ملتے ہیں جس میں ہم سارا کام کرتے ہیں۔ اس

REDMI NOTE 8 PRO
AI DUAL CAMERA

Scanned with CamScanner

چودہ گھنٹوں میں سے پانچویں حقیقت یعنی محبت کے لیے ہم کتنے گھنٹے صرف کرتے ہیں اس کا حساب رکھنا مشکل ہے۔ محبت کو اپنے وسیع ترین معنوں میں ہم استعمال کر رہے ہیں۔ اس میں ماں باپ، بہن بھائی، دوست احباب، وطن، صنف مخالف سے محبت، سبھی محبتیں شامل ہیں۔ ناول میں زندگی کے ان حقائق کو کس طرح پیش کیا جاتا ہے اس پر غور کریں تو ہم بعض دلچسپ نتائج تک پہنچیں گے۔

حقیقی انسانوں اور افسانوی انسانوں میں انہی پانچ حقائق کے لحاظ سے فرق اور امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ حقیقی انسان کے لیے نیند، کھانا، پینا، نہانا، دھونا لازمی ہوتے ہیں۔ ہم تین وقت کھاتے ہیں اسی طرح سوتے ہیں اور دوسری تمام باتیں لازمی طور پر انجام دیتے ہیں۔ افسانوی انسان گویا روزانہ سوتا ہے، نہ کھانا کھاتا ہے اور نہ زندگی کی دوسری حاجتیں پوری کرتا ہے یا اس کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دکھایا جاتا البتہ افسانوی کردار کی زندگی میں محبت بہت زیادہ غالب رہتی ہے۔ ناول میں ان حقائق کو کس طرح سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اسی سے ناول کی کامیابی اور اہمیت متعین ہوتی ہے۔ ناول کے کرداروں کا اگر بہ غور مطالعہ کیا جائے تو ہم ان کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک خاص طرح کے کردار جن کے اوصاف اور صفتیں نہیں بدلتیں ان کو فورسٹر نے (Flat) یا یک رخے کردار کہا ہے۔

یک رخے (Flat) کرداروں کے بعض اوصاف ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ ان میں حالات زماں اور مکاں کی تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ کردار عام طور پر مزاحیہ ہوا کرتے ہیں۔ جیسے نذیر احمد کے "توبۃ النصوح" کا ظاہر دار بیگ۔ اس کردار کی ظاہر داری ہر جگہ قائم رہتی ہے۔ "فسانۂ آزاد" کا خوجی بھی یک رخا کردار ہے۔ وہ ہندوستان میں رہے یا بلقان میں ہر جگہ اس کی شیخی، اس کی دھمکیاں برقرار رہتی ہیں۔ ان کرداروں پر مختلف حالات اور واقعات اثر انداز نہیں ہوتے۔ یک رخے کرداروں سے ناول نگار اور قاری کو جو سہولت میسر آتی ہے۔ اس کے بارے میں ای۔ ایم۔ فورسٹر نے لکھا ہے:

> "یک رخے کرداروں کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ قاری انہیں فوراً پہچان جاتا ہے۔۔ ناول نگار کے لیے یہ سہولت ہوتی ہے کہ ان کو کبھی دوبارہ متعارف کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ قاری انہیں بعد میں بھی آسانی سے یاد رکھتا ہے اور وہ اس کے ذہن میں رہتے ہیں کیونکہ حالات و واقعات ان میں کوئی تبدیلی نہیں لاتے۔"

(Aspect of The Novel)

یہی وجہ ہے کہ آج اردو ادب کے یہ کردار ہر ایک کو یاد ہیں جنہوں نے ان ناولوں کو پڑھا ہے۔ وہ خوجی یا ظاہر دار بیگ کو بھلا نہیں سکتے۔ پہلو دار کردار ارتقا پذیر ہوتے ہیں۔ حالات و واقعات سے ان میں تبدیلی آتی ہے۔ وہ مسلسل بدلتے ہیں۔ اس تبدیلی سے ان کے کردار میں جو تغیر ہوتا ہے اس کو یقین آفریں انداز میں پیش کرنے میں ناول نگار کی مہارت ظاہر ہوتی ہے۔

کرداروں کو ناول نگار کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی نہ ہونا چاہیے بلکہ وہ ایسے معلوم ہوں جیسے اپنی زندگی آپ جی رہے ہیں۔ وہی کردار متاثر کن ہوتے ہیں جو انفرادیت رکھتے ہیں اور زندگی سے معمور ہوتے ہیں۔ ناول کے کرداروں کی زندگی دکھانا آسان ہے لیکن ان کی موت کو پیش کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کرداروں کی موت کو یقین آفریں انداز میں پیش کرنے میں ناول نگار کے فن کی آزمائش ہوتی ہے۔ حقیقی زندگی میں انسان جس طرح مرتے ہیں بالکل اس طرح ناول میں کرداروں کی موت کو پیش کرنا ہر ناول نگار کے بس کی بات نہیں۔ ایک بڑا ناول نگار ہی کردار کی موت کو یقین آفریں انداز میں پیش کر سکتا ہے۔

افسانوی انسان اور حقیقی انسان میں جو فرق ہوتا ہے۔ اوپر اس کے تعلق سے بحث ہو چکی ہے۔ اسی طرح تاریخ میں جو انسان پیش کیا جاتا ہے اور افسانوی ادب میں جو انسان پیش ہوتا ہے اس فرق کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ تاریخ میں انسان کے خارجی یا ظاہری اعمال و افعال [illegible] جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مغل بادشاہ اکبر کی زندگی کو لیں۔ ایک مورخ اس کی خارجی اور ظاہری زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ لیکن اکبر کو جب افسانوی ادب میں پیش کیا جائے گا تو صرف اس کی خارجی زندگی کو پیش نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی

Scanned with CamScanner

ادب میں جو خارجی یا ظاہری عمل ہے اس کے پیچھے جو جذباتی اور نفسیاتی حالت اور کیفیت کام کررہی ہے وہ پیش کی جائے گی۔ اس داخلی یا اندرونی حالت وکیفیت کو صرف تخیل کے زور پر ناول نگار یا افسانہ نگار پیش کرتا ہے۔ کیونکہ اکبر کی داخلی زندگی اور اس کی جذباتی یا نفسیاتی حالت اکبر کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کو تو صرف اکبر ہی جانتا ہے۔ یہ جو افسانہ نگار، ناول نگار یا ڈراما نگار اس کی داخلی زندگی کو پیش کررہا ہے وہ صرف تخیلی یا خیالی ہے۔ اسی وجہ سے اس پیش کش میں افسانویت یعنی Fictionality پیدا ہوئی۔ حقیقی اور افسانوی کردار کی پیش کش میں یہی بنیادی فرق ہے۔

15.3.4 مکالمے

ناول میں مکالمے بھی بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ڈرامائی کیفیت مکالموں ہی کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ مکالمے کتنی یا کیا اہمیت رکھتے ہیں اس کو ڈرامے کے ذریعے ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ ڈرامے میں مکالموں ہی کے ذریعے کہانی بیان ہوتی ہے۔ پلاٹ سامنے آتا ہے، کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے فارسی میں کہا گیا ہے:

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

مطلب یہ کہ جب تک آدمی گفتگو نہیں کرتا اس وقت تک اس کے عیب و ہنر پوشیدہ رہتے ہیں۔ بالکل اسی کے مطابق ڈرامے میں کرداروں کے عیب و ہنر، ان کی اچھائیاں اور برائیاں سامنے آتی ہیں۔ اصل میں ڈرامے کو جب بیان کیا جاتا ہے تو وہ ناول کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اسی وجہ سے ناول کو Pocket Theater کہا گیا ہے۔ ناول میں ڈرامے کے سارے اجزا موجود ہیں فرق یہ ہے کہ ڈرامے کو Action یا عمل کے ذریعے اسٹیج پر پیش کیا جاتا ہے۔ ناول میں بیانیہ سے کام لے کر تمام باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ ڈرامے میں مکالمے کی اسی اہمیت کو دیکھ کر "اودھ پنچ" کے زمانے کے ایک ڈراما نگار سید محمد آزاد نے اپنے ڈرامے "نوابی دربار" کے دیباچے میں ڈرامے کے لیے "فسانۂ مکالمہ" کی اصطلاح وضع کی تھی۔ یہ اصطلاح چلی نہیں لیکن اسی سے ڈرامے میں مکالمے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

مکالمے کردار کو نمایاں کرنے میں بے حد نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ناول میں مکالموں ہی کی وجہ سے ڈرامائیت پیدا ہوتی ہے۔ مکالموں ہی کے ذریعے ناول میں کرداروں کی سماجی حیثیت، طبقہ، تہذیبی پس منظر اور نفسیاتی و جذباتی کیفیت نمایاں ہوتی ہے۔ مکالموں میں ناول نگار کو اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ہر کردار اپنے طبقے اور حیثیت کے مطابق بات کرے۔ ایک عالم اور ایک عامی کی گفتگو میں جو فرق ہوگا اس کو ملحوظ رکھنا ناول نگار کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ایک شہنشاہ اور ایک غلام، ایک ملکہ اور ایک باندی کے مکالموں ہی سے ان کی سماجی حیثیت اور مقام و مرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے کرداروں کو ابھارنے میں مکالمے بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ گئودان میں ہوری کا طرز گفتار مہتا صاحب کے لب و لہجہ سے بالکل مختلف ہے۔ امراؤ جان ادا میں خانم اور بوا حسینی دونوں طوائف ہیں لیکن دونوں کے انداز گفتگو سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ دونوں کی موجودہ سماجی حیثیت کیا ہے۔

15.3.5 زماں و مکاں

زماں و مکاں یا پس منظر بھی ناول میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جس طرح سفید کاغذ پر سیاہ قلم کے نقش بے حد نمایاں ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح پس منظر سے ناول کے کردار، واقعات نمایاں ہوتے ہیں۔ ناول کو پڑھتے ہوئے اس کے پس منظر کی طرف خیال نہیں جاتا اس لیے کہ پس منظر کرداروں اور واقعات ہی کو سامنے لاتا ہے۔ پس منظر کی وجہ سے ناول کی ایک خاص فضا تیار ہوتی ہے۔ پس منظر کی وجہ سے کرداروں کی حالت اور ان کا ماحول سامنے آتا ہے۔ جب ناول نگار کسی خاص جگہ اور خاص زمانے کو پیش کرتا ہے تو اس کے مطابق کردار اور واقعات کو بھی پیش کرتا ہے۔ کیونکہ ہر جگہ کی خصوصیات الگ ہوتی ہیں اور ہر زمانے کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اس بات کو دو مشہور ناولوں کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ "امراؤ جان ادا" اور "گئودان" اردو کے بہت ہی معروف ناول ہیں۔ ان ناولوں کے زماں و مکاں اور ان کا پس منظر ہی ہے جو ان ناولوں کے پورے ماحول اور فضا کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ ناول کی اثر پذیری میں اس کا پس منظر بڑی خاموشی سے کام کرتا ہے۔

REDMI NOTE 6 PRO
MI DUAL CAMERA

Scanned with CamScanner

پس منظر یا زماں و مکاں ناول پر جس قدر اثر انداز ہوتے ہیں۔اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے۔شرر اردو ناول نگاری میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔خاص طور پر تاریخی ناول نگاری میں ان کا مقام و مرتبہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔''فردوس بریں'' ان کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔جہاں تک ناول کی تکنیک کا تعلق ہے ان کا یہ ناول حقیقتاً شاہ کار ہے۔لیکن تاریخی ناول کی حیثیت سے اس کا درجہ خود ان ہی کے دوسرے ناولوں کے مقابلے میں کم تر ہے۔کیونکہ اس ناول میں ایک حقیقی تاریخی دور اپنی جزئیات سمیت پیش نہیں کیا گیا ہے۔فرقہ باطنیہ کی وجہ سے وہاں کے لوگ، اس زمانے کا بادشاہ اور اس کی حکومت کس حد تک متاثر ہو رہی تھی۔اور اس کے تدارک کے لیے کیا کر رہی تھی اس ناول میں بیان ہی نہیں کیا گیا ہے۔اس کے برخلاف انہی کا ایک اور تاریخی ناول ''زوال بغداد'' ہے۔اس میں بھی ایک خفیہ فرقے کی کارستانیوں کو پیش کیا گیا ہے۔یہ عیاروں کا فرقہ ہے۔اس کو پیش کرتے ہوئے انہوں نے یہ بات صاف طور پر پیش کی ہے کہ اس زمانہ کا خلیفہ اس فرقے کی سرگرمیوں سے واقف بھی، پریشان بھی تھا اور اس کے تدارک کی فکر بھی کر رہا تھا۔اسی طرح عام لوگوں کی زندگی اس فرقے کی عیاریوں سے اجیرن بن گئی تھی۔گلیوں اور بازاروں میں اس کے چرچے تھے۔ اور اس طرح سے پورا شہر یا ملک پریشان تھا۔شرر نے اپنے اس ناول میں اسی زمانے کے گلی کوچوں کو بھی پیش کیا ہے، وہاں کے عوام کو بھی، وہاں کے حکمران کو بھی۔یوں اس دور کی انہوں نے اپنے ناول میں بازتعمیر کی ہے۔اس طرح سے ''زوال بغداد'' بہت ہی کامیاب تاریخی ناول بن گیا ہے۔ ''فردوس بریں'' بہت اچھا ناول ہے لیکن ایک اچھا تاریخی ناول وہ نہیں بن سکا۔

15.3.6 اسلوب

ناول کا اسلوب ایک خاص انداز کا ہونا ضروری ہے۔ناول میں اسلوب آئینہ کے زنگار کا کام دیتا ہے۔آئینہ کے پیچھے جو مصالحہ لگایا جاتا ہے جس کی وجہ سے آئینہ میں عکس یا پیکر نظر آتے ہیں اس کو زنگار کہا جاتا ہے۔ناول میں اسلوب زنگار کی طرح ہوتا ہے۔زنگار کی وجہ سے آئینہ میں جو عکس یا پیکر نمایاں ہوتے ہیں ہماری ساری توجہ ان پیکروں کی طرف مبذول رہتی ہے۔زنگار کی طرف ہم متوجہ نہیں ہوتے۔ناول کا اسلوب بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ اس میں جو کردار اور واقعات پیش کیے جارہے ہیں قاری کی توجہ صرف اس پر مرکوز رہے اور اسلوب کی طرف اس کی توجہ نہ جائے۔آئینہ دیکھتے ہوئے ہم کبھی زنگار کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔زنگار کی طرف توجہ اسی وقت مبذول ہوتی ہے جب عکس یا پیکر دھندلے بنتے ہیں یا زنگار کہیں سے اڑا ہوتا ہے۔بہرحال جب پیکر یا عکس پورا اور اچھا رہتا ہے اس وقت تک ہم زنگار کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے۔اسلوب بھی بالکل زنگار کی طرح ہونا چاہیے۔ناول اور افسانہ پڑھتے ہوئے ہماری توجہ اس کی طرف مبذول نہیں ہونی چاہیے۔

بعض صاحب طرز ناول نگار، اسلوب کی انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے بھی واقعات اور کرداروں کو بہت ہی روشن انداز میں پیش کرتے ہیں۔ جیسے رتن ناتھ سرشار ہیں۔یہ اسلوب چونکہ ان کی شخصیت کا حصہ ہوتا ہے اس وجہ سے وہ بیک وقت کرداروں اور واقعات کو اس طرح سے پیش کرتے ہیں کہ ہم ان کے اسلوب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بھی اپنی پوری توجہ کرداروں اور واقعات پر مبذول رکھتے ہیں۔

15.3.7 نقطۂ نظر

ناول میں زندگی کو پیش کیا جاتا ہے۔زندگی کی پیش کش کے سلسلے میں ناول نگار کا نقطۂ نظر سامنے آتا ہے۔اسے ناول نگار کا فلسفۂ حیات بھی کہا جاسکتا ہے۔ناول میں کہانی کئی طرح سے بیان کی جاسکتی ہے۔خود ناول نگار کہانی بیان کرتا ہے۔بعض وقت کوئی ایک کردار کہانی کے سارے واقعات کو پیش کرتا ہے یا پھر ناول کا مرکزی کردار گویا اپنی آپ بیتی سناتا ہے۔کہانی کا راوی خواہ کوئی بھی ہو، ناول نگار کا نقطۂ نظر ہر صورت میں سامنے آجاتا ہے۔ ناول نگار کا اپنا فلسفۂ حیات یا نقطۂ نظر جب ناول میں شامل ہوتا ہے تو وہ ناول کے فن کو مجروح نہیں کرتا۔لیکن جب کسی اور کے نقطۂ نظر یا فلسفۂ حیات کو وہ پیش کرتا ہے تو اس کا فن مجروح ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں اس کی ناول نگاری پروپگنڈے کے زمرے میں آجاتی ہے۔اس میں ''آمد'' کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی اور وہ صاف طور پر ''آورد'' نظر آتی ہے۔پہلے اچھی شاعری کے سلسلے میں ''آمد'' اور ''آورد'' کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ ''آمد'' کے معنی آنے کے ہیں اور ''آورد'' کے معنی لانے کے ہیں۔''آمد'' میں بے ساختگی رہتی ہے، روانی [illegible] ہے اور ایک [illegible] یا ''آہنگ'' کی

Redmi Note [illegible]
MI DUAL CAMERA

Scanned with CamScanner

کیفیت ہوتی ہے لیکن جب کوئی چیز لائی جاتی ہے تو اس میں بے ساختگی ختم ہوجاتی ہے اور تصنع کی صورت پیدا ہوتی ہے۔اس وجہ سے اس میں روانی بھی نہیں رہتی اور کوئی ''لے'' یا ''آہنگ'' بھی پیدا نہیں ہوتا۔مصحفی نے محبوب کی رفتار اور اس کی آمد یا چال کو دیکھ کر یہ شعر کہا تھا:

تیری رفتار سے ایک بے خبری نکلے ہے
مست و مدہوش سی جیسے کہ پری نکلے ہے

یہ شعر آورد کا مکمل نمونہ ہے۔نہ اس میں کیفیت ہے اور نہ شاعر کے مشاہدے کی گرمی ہی محسوس ہوتی ہے۔اسی طرح ناول میں نقطۂ نظر یا فلسفۂ حیات کی آمد یا آورد کو بعض مثالوں کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔نذیر احمد کے تمام ناول مقصدی رہے ہیں انہوں نے ہر جگہ اپنا فلسفۂ حیات پیش کیا ہے۔اس کے باوجود ان کی ناول نگاری کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔وہ اپنا جو خاص اور بے لچک اخلاقی نقطۂ نظر رکھتے ہیں اس کو انہوں نے اپنے ناولوں میں ہمیشہ پیش کیا ہے۔اسی طرح پریم چند اپنا ایک نقطۂ نظر یا فلسفۂ حیات رکھتے تھے۔اسی کو انہوں نے اپنی تمام تخلیقات میں پیش کیا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی فن کاری مجروح نہیں ہوئی اس لیے کہ یہ ان کی اپنی فکر کا حصہ تھا ان کی ذات اور فکر میں یہ بات شامل تھی۔یہ کوئی درآمد کیا ہوا فلسفۂ حیات تھا نہ نقطۂ نظر۔لیکن ایسے فن کار جو کسی نقطۂ نظر یا فلسفۂ حیات کو درآمد کر لیتے ہیں یا صرف رواج زمانہ کے مطابق اختیار کر لیتے ہیں۔وہ کوئی اعلیٰ فنی کارنامہ پیش نہیں کرسکتے۔ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں اشتراکی نقطۂ حیات یا فلسفۂ حیات کو بے شمار ادیبوں اور شاعروں نے اپنایا تھا لیکن ان میں سے وہی آج اہمیت رکھتے ہیں جنہوں نے اس فلسفۂ حیات یا نقطۂ نظر کو اپنی ذات اور فکر کا حصہ بنالیا تھا۔

بہر حال ناول میں نقطۂ نظر یا فلسفۂ حیات کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے کیونکہ ناول کے تمام اجزائے ترکیبی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. کہانی سے ہمیں کیا حاصل ہوتا ہے؟
2. کہانی کو ناول کی ریڑھ کی ہڈی کس نے کہا ہے؟
3. اعلیٰ درجے کی کہانی کی کیا خصوصیت ہے؟
4. اچھے پلاٹ کی کیا خوبی ہے؟
5. ''خدائی فوج دار'' کس کا ترجمہ ہے؟
6. The Craft of Fiction کا مصنف کون ہے؟
7. کردار کتنی طرح کے ہوتے ہیں؟
8. یک رخے کردار سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
9. افسانوی انسان اور حقیقی انسان میں کیا فرق ہوتا ہے؟
10. ناول میں ڈرامائی کیفیت کس سے پیدا ہوتی ہے؟
11. ناول کو Pocket Theater کیوں کہا جاتا ہے؟
12. مکالموں میں ناول نگار کو کس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے؟

REDMI NOTE 8 PRO
MI DUAL CAMERA

Scanned with CamScanner

16.5 ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول

علی گڑھ تحریک کے بعد اور رومانی تحریک کے قریب جو تحریک سب سے زیادہ مؤثر بن کر سامنے آئی وہ ترقی پسند تحریک تھی جس نے بہت کم وقت میں نہ صرف اردو بلکہ ہندستان کی دیگر زبانوں پر بھی اپنا اثر ڈالا۔ ترقی پسند تحریک کے مقاصد میں سماجی مساوات کی حمایت اور کسی بھی سطح پر ہونے والے ظلم و جبر کی مخالفت شامل تھی۔ ایسے وقت میں جب اردو افسانہ محض افسانہ طرازی بنا ہوا تھا' ناولوں میں رومانی جذبات کا اظہار ہو رہا تھا' شاعری میں گل و بلبل کے نغمے گائے جا رہے تھے اور تنقید محض تاثرات کے اظہار تک محدود تھی' ترقی پسند تحریک کے ذریعے ادبی منظر نامے پر ایک زبردست تبدیلی آئی۔ ادیبوں اور شاعروں نے زندگی کے تلخ حقائق کو اپنی تحریروں میں جگہ دی۔ انہوں نے مارکسی تعلیم کے زیر اثر سماج کے طبقاتی کردار اور طبقاتی کش مکش سے پیدا ہونے والی انسانی صورت حال کو ادب کا موضوع بنایا۔ دقیانوسی خیالات' توہم پرستی' تاریک اندیشی اور ہر طرح کی ظلمت پسندی کے خلاف آواز بلند کی۔ ترقی پسند ادیبوں نے انسان دوستی کو فروغ دینے کی کوشش کی جس کی داغ بیل پریم چند نے اپنے آخری دور کے افسانوں اور ناولوں میں ڈالی تھی۔ اس تحریک کے زیر اثر جن لوگوں نے ناول لکھے ان میں سجاد ظہیر' کرشن چندر' راجندر سنگھ بیدی' عصمت چغتائی' عزیز احمد' شوکت صدیقی' خدیجہ مستور' قاضی عبدالستار' جیلانی بانو اور خواجہ احمد عباس وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

Scanned with CamScanner

ترقی پسند تحریک کے میر کارواں سجاد ظہیر نے "لندن کی ایک رات" میں شعور کی رو اور داخلی خود کلامی کی تکنیک سے کام لیا ہے۔ انہیں اردو ناول نگاری میں شعوری طور پر شعور کی رو کو متعارف کرانے کا شرف حاصل ہے۔ اس ناول میں چند نوجوان ایک کمرے میں بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں۔ درمیان میں یادوں، خوابوں، خیالوں اور خود کلامی کے ذریعے اس میں ایک تہذیبی داستان پیش کی گئی ہے جس میں بچپن ہے، محبت ہے، ہجرت ہے، ذات کی شناخت کا مسئلہ ہے اور دوسری طرف فلسفہ، شعر و سیاست، زندگی، ادب اور آرٹ جیسے موضوعات پر گفتگو بھی شامل ہے۔

کرشن چندر بسیار نویس افسانہ و ناول نگار تھے۔ کرشن چندر کے ناولوں کی انفرادیت ان کی فضا بندی، منظر نگاری، جزئیات نگاری اور اسلوب بیان میں مضمر ہے۔ ان کی تحریروں کے مطالعے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ وہ نظریاتی طور پر ترقی پسند ادیب تھے مگر اسلوب بیان اور حسین تشبیہات و مثالوں سے بھرپور خوبصورت و پرکشش زبان کے سبب ان کی تخلیقات کا رشتہ رومانی ادیبوں سے جاملتا ہے۔ تکنیک کے اعتبار سے کرشن چندر کا طنزیہ ناول ایک گدھے کی سرگزشت خصوصیت سے قابل ذکر ہے، جس میں ایک گدھے کو انسانی صفات اور قوت گویائی عطا کی گئی ہے۔ کرشن چندر نے سوانحی ناول بھی لکھے ہیں۔ ان کے مشہور ناولوں میں 'شکست'، 'جب کھیت جاگے' اور 'طوفان کی کلیاں' شامل ہیں۔

عزیز احمد نے اردو ناول کو نئے شعور اور نئے آفاق و امکانات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں مکتوبات، ڈائری، سفرنامہ اور شعور کی رو جیسی تکنیک کے تجربات کیے۔ جنسی موضوعات پر جس بے باکی سے انہوں نے گفتگو کی ہے اس کی مثال ان کے ہم عصروں یا پیش رووں کے یہاں نہیں ملتی ہے۔ عزیز احمد فرائیڈ کے نظریۂ جنس سے تو متاثر تھے ہی، انہوں نے ماہر نفسیات ماسلو کے اس بیان سے بھی استفادہ کیا ہے کہ جنس بھوک اور پیاس کی طرح ضروری شئے ہے۔ تاہم فنی نقطۂ نظر سے "گریز" اور "ایسی بلندی ایسی پستی" ان کی نمائندہ تصانیف ہیں۔ "آگ" میں بھی انہوں نے تکنیکی تجربے کیے ہیں۔

ترقی پسند ادیبوں میں عصمت چغتائی ایک اہم نام ہے۔ جنہوں نے ٹیڑھی لکیر میں آپ بیتی کی تکنیک سے کام لیا ہے جب کہ اس کے مرکزی کردار شمن کی پیش کش میں تحلیل نفسی کا مظاہرہ کیا ہے۔ تکنیک کے اعتبار سے اس ناول کو نیم سوانحی بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں خود عصمت کی اپنی جھلک نظر آتی ہے۔ عصمت نے اور بھی ناول لکھے ہیں لیکن ٹیڑھی لکیر کے علاوہ "معصومہ" اور "دل کی دنیا" کو ان کی نمائندہ تصانیف قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایک میں بمبئی کی فلم نگری کے تاجر پیشہ اور تاجر ذہن لوگوں کی روداد ہے جہاں اسم بامسمیٰ معصومہ جسم و جذبات کا سودا کرنے والی طوائف بن جاتی ہے جب کہ دوسرے میں مسلم متوسط طبقے کی لڑکیوں پر ہونے والے ظلم و جبر اور اس کے خلاف احتجاج و بغاوت کو مثبت انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ تینوں ناولوں میں عورت اور اس کے اندر پیدا ہونے والے انقلاب اور بغاوت کی لہروں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

راجندر سنگھ بیدی کو کہانی کہنے کے فن پر قدرت حاصل ہے۔ "ایک چادر میلی سی" ان کا واحد ناول ہے جو حقیقت بیانی، فنی چابکدستی، فکری گہرائی، احساسات کی تازگی اور عمیق مشاہدے کی وجہ سے اردو ناول کی تاریخ میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ بیدی کی تکنیک میں سب سے نمایاں ان کے کرداروں کی زبان ہے جو بالکل حقیقی اور ماحول کے موافق اور مانوس ہوتی ہے۔ انہیں کرداروں کی نفسیات، ان کی خواہشات اور جذبات کا مکمل شعور ہے۔ اور وہ کرداروں میں پوشیدہ جنسی جذبات، ولولوں اور امنگوں کے رازداں ہیں۔

شوکت صدیقی کا ناول 'خدا کی بستی' بے درد سماجی حقیقت نگاری کی اعلیٰ مثال ہے۔ یہ ایک بیانیہ ناول ہے۔ زبردست مشاہدے، سماجی شعور، عصری آگہی اور کردار نگاری پر بے پناہ قدرت کے سبب اسے نمایاں مقام حاصل ہے۔ تقسیم ہند کے بعد وجود میں آنے والے پاکستانی معاشرے کی خرابیاں یوں تو کئی ناولوں کا موضوع رہی ہیں لیکن شوکت صدیقی نے "خدا کی بستی" میں جس فنکارانہ چابکدستی سے اس پورے معاشرے کو قید کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ راجہ اور نوشہ کی غریبی اور پھر جرائم سے وابستگی، نیاز کباڑی کا اس کی ماں اور بہن سلطانہ کا استحصال کرنا، ڈاکٹر موٹو کی فریب دہی اور جعل سازی غرض کہ ایک جنگ زرگری ہے جو اس معاشرے میں جاری ہے اور جسے فلک پیا کے کارکنان روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شوکت صدیقی کا کمال یہ ہے کہ وہ ناول کے عنوان اور موضوع دونوں کے ساتھ خاطر خواہ انصاف کرتے ہیں۔ پاکستان کی تحریک اس کا قیام اور اس کا معاشرہ ان تینوں ...
... "خدا کی بستی" پر غور کرے تو بہت سے سوالوں کے جواب از خود مل جاتے ہیں۔

REDMI NOTE 6 PRO
MI DUAL CAMERA
Scanned with CamScanner

قاضی عبدالستار نے اپنے ناولوں میں تاریخیت، بیانیہ اور مکالماتی تکنیک اپنائی ہے۔ تاریخی واقعات میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے وہ قوت متخیلہ سے بھی کام لیتے ہیں۔ وہ اپنے اسلوب کے شان و شکوہ سے قارئین کے ذہنوں کو باندھ لیتے ہیں۔ منظر و پیش منظر کے بیان اور کرداروں کے گفتگو کے دوران ان کے یہاں اکثر ڈرامائی انداز بھی پیدا ہوتا ہے۔ اُن کے ناولوں میں شب گزیدہ، داراشکوہ، صلاح الدین ایوبی، حضرت جان، غبار شب اور خالد بن ولید شامل ہیں۔

خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' کی کہانی دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ماضی اور حال۔ ماضی کے بیان میں انہوں نے فلش بیک کی تکنیک سے کام لیا ہے۔ کہانی میں فطری بہاؤ اور اشخاص قصہ کی جامع پیکر تراشی ہے۔ ان کا دوسرا ناول ''زمین'' بھی بیانیہ ہے لیکن اس کے کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ کافی باریکی سے کیا گیا ہے۔

جیلانی بانو کا مشہور ناول ''ایوان غزل'' ہے جس میں حیدرآباد کی زبان اور وہاں کی تہذیب میں رچی بسی فطرت کی نیرنگیوں کا ذکر بہت خوبصورت انداز میں ملتا ہے۔ غزل حیدرآباد کی تہذیب و ثقافت کی علامت کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ اُن کا ایک اور اہم ناول ''بارش سنگ'' ہے۔

خواجہ احمد عباس کے ناول ''انقلاب'' کا کینوس کافی وسیع ہے۔ اس میں مصنف کی فلسفیانہ گہرائی، سیاسی شعور، سماجی بصیرت، تاریخی وسعت اور انسانی رشتوں کے پیچ و خم کے ادراک کا احساس ہوتا ہے۔ اس میں طویل خطبات اور ڈرامائی واقعات کے ذریعے کرداروں کو ابھارا گیا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر کئی اہم ناول لکھے گئے۔ ناول نگاروں کے پیش نظر کسی بھی سطح پر کسی بھی صورت میں ہونے والے مظالم کی مخالفت اور ظلم و جبر کے شکار غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کی حمایت کا کلیہ تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے اپنی تخلیقات میں موضوع اور مواد کو خاصی اہمیت دی مگر فنی لوازمات پر سے اپنی گرفت ڈھیلی نہیں ہونے دی۔ انہوں نے ناول نویسی کی تمام تکنیکوں کے تجربے کیے۔ چونکہ بیشتر ادیب مغربی تعلیم سے آراستہ رہے ہیں اس لیے انہوں نے اپنی علمیت اور وسعت نظری سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس استفادے کی راہ میں ان کی اپنی جودت طبع اور خلاقانہ صلاحیتیں بروئے کار آئیں اور اردو ناول کا دامن موضوع اور مواد کے ساتھ فنی اور تکنیکی سطح پر بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. کسی پانچ ترقی پسند ناول نگاروں کے نام بتائیے۔
2. ''لندن کی ایک رات'' کس کی تصنیف ہے اور اس میں کون سی تکنیک اختیار کی گئی ہے؟
3. کرشن چندر کے ناولوں کی خصوصیات کیا ہیں؟
4. ''گریز'' اور ''ایسی بلندی ایسی پستی'' کس کی نمائندہ تصانیف ہیں؟
5. عصمت چغتائی کے ناولوں کے نام بتائیے۔
6. عصمت نے اپنے ناولوں میں کس طبقے کی نمائندگی کی ہے؟
7. ناول ''ایوان غزل'' کس شہر کی تہذیب و ثقافت کی تصویر پیش کرتا ہے؟

REDMI NOTE 6 PRO
MI DUAL CAMERA

16.6 جدیدیت اور اُردو ناول

Scanned with CamScanner

آزادی کے بعد اردو ناول

پرضرب لگائی۔ اسی کو فکر جدید کا نام دیا گیا۔ ہندوستان میں آزادی کے چند برسوں بعد ایک نئی پیڑھی جو مغرب کے جدید ادبی اور فکری رجحانات سے زیادہ مانوس تھی، ابھر کر سامنے آئی۔ اس نے ترقی پسند تحریک کی سیاست زدگی، نعرے بازی اور اجتماعیت سے گریز کر کے فردی زندگی اور اس کے داخلی نفسی کوائف پر زور دیا اور مغرب کے نئے رجحانات کے زیر اثر افسانوی ادب میں تجربے کیے۔ ان میں قرۃ العین حیدر، ممتاز مفتی، جمیلہ ہاشمی، عبداللہ حسین، انور سجاد، جوگندر پال، انتظار حسین، پیغام آفاقی، غضنفر اور ساجدہ زیدی وغیرہ کے نام خصوصیت کے ساتھ شامل ہیں۔

قرۃ العین نے اردو فکشن کی روایت سے انحراف کیا اور بیانیہ کے نئے اسالیب دریافت کیے۔ کردار نگاری کا ایک نہایت تازہ کار تصور ان کے ناولوں میں شروع سے نمایاں نظر آتا ہے۔ آگ کا دریا ان کا شاہکار ناول ہے۔ اس میں پہلی بار شعور کی رو کی تکنیک کو بے حد وسیع پیمانے پر برتا گیا ہے۔ کرداروں کی خود کلامی ہو یا پس منظر کا بیان، یادوں کے آسیب کا تعاقب ہو یا ان سے فرار، بغیر کسی منطقی ربط کے ساتھ کہانی کی پیش کش ہو یا غیر منظم کیفیات کا بیان...... شعور کی رو کے یہ تمام عناصر اپنی تمام تر خوبیوں اور بلندیوں کے ساتھ آگ کا دریا میں موجود ہیں۔ قرۃ العین حیدر کو اردو زبان کے ذخیرۂ الفاظ اور اس کی تہذیبی نشو ونما کی تاریخ پر بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ ان کا مصورانہ ذہن انسانی زندگی کے نہ صرف سامنے کے پہلو بلکہ نہایت پیچیدہ، پراسرار اور تہہ دار پہلو بھی ناول میں اس خوبی سے پیش کرتا ہے کہ قاری اس سے ایک طرح کی ذہنی ہم آہنگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ قرۃ العین حیدر کے دیگر ناولوں کے نام میرے بھی صنم خانے، سفینۂ غم دل، کار جہاں دراز ہے، آخر شب کے ہم سفر، گردش رنگ چمن اور چاندنی بیگم ہیں۔

(نوٹ: قرۃ العین حیدر اور چاندنی بیگم پر ایک مکمل اکائی کتاب میں شامل ہے جہاں آپ اس موضوع پر تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔)

ممتاز مفتی جدیدیت کے رجحان کے اُردو میں فروغ پانے سے پہلے سے لکھ رہے ہیں۔ ان کے یہاں انسان کی داخلی زندگی اور اس کے تجزیۂ نفس پر زور دیا گیا ہے۔ ان کے ناول ''علی پور کا ایلی'' کے بیانیہ کی خوبی یہ ہے کہ آپ بیتی ہونے کے باوجود ناول نگار نے اس میں ایک فاصلہ برقرار رکھا ہے اور اپنے کرداروں اور واقعات کو بڑی حد تک ایک غیر جذباتی اور معروضی رنگ میں پیش کیا ہے۔ ناول کے تانے بانے میں ان کی اپنی زندگی کی محرومیوں، ناکامیوں، حسرتوں اور شادکامیوں، خواب اور شکست خواب سب کا ایک مرقع مل جاتا ہے۔ ناول میں انسانی جذبات اور احساسات کے بے محابا اظہار کی تفصیل ہے، جو گہری تجزیاتی قوت کے ساتھ قائم ہے۔ ممتاز مفتی کے اسلوب میں سادگی، وضاحت اور قطعیت تینوں عناصر کی آمیزش ہے۔

جمیلہ ہاشمی نے سماجی حقیقت نگاری کی روایت سے انحراف کر کے ایسے کردار تخلیق کیے اور ایسی تکنیک سے کام لیا جو قرۃ العین حیدر کے ناولوں کا وصف رہا ہے۔ وہ اپنے اہم ناول ''تلاش بہاراں'' کے مرکزی کردار کو حقیقت کے رنگ میں رنگنے کے بجائے ایک آدرش اور نیم تخیلی کردار کی شکل میں پیش کرتی ہیں۔ ناول میں راوی خود ایک کردار کی حیثیت سے ابھرتا ہے اور پورا قصہ بیان کرتا ہے۔ اس میں ذاتی یادداشتوں اور خطوط کی تکنیک کا بھی سہارا لیا گیا ہے۔ قرۃ العین حیدر کی طرح جمیلہ ہاشمی کی تحریروں میں بھی رومانی وفور جھلکتا ہے۔ انہوں نے تاریخی ناول بھی لکھے ہیں۔

ناول نگاروں کی اس ترتیب میں انتظار حسین ایک نمایاں نام ہے۔ قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین میں جو مشترک ہے وہ یہ کہ تقسیم کے نتیجے میں مشترکہ تہذیب کا شیرازہ بکھرنے پر دونوں ہی نوحہ کرتے ہیں۔ انتظار حسین کی کہانیوں اور ناولوں میں ماضی کی یادوں سے وابستگی اتنی گہری ہے کہ مستقبل کے امکانات کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ ان کے ناولوں کی سب سے بڑی خوبی ان کی ٹکسالی، خوبصورت اور رواں دواں زبان ہے جس کے سہارے وہ اپنے کرداروں کی تہذیبی زندگی اور انفرادیت کا نقش ابھارتے ہیں۔ وہ اسطوری اور داستانوی طرز بیان بھی اختیار کرتے ہیں جو ان کے ذاتی اسلوب کی پہچان بن گیا ہے۔ ان کے ناولوں کے نام چاند گہن، بستی، آگے سمندر ہے اور تذکرہ ہیں۔

عبداللہ حسین کے ناول ''اداس نسلیں'' میں آزادی سے پہلے کا پورا ہندوستان جیتا جاگتا سانس لیتا نظر آتا ہے۔ ناول میں گرچہ کردار نگاری کمزور ہے لیکن اس میں ہندوستان کی اجتماعی زندگی، عوامی تحریکوں، کھیتوں، کھلیانوں بدلتے موسموں کی مرقع کشی بہت مؤثر اور جاندار ہے۔ یہ ایک بیانیہ ناول ہے لیکن خود کلامی اور تلازمۂ خیال سے جگہ جگہ کام لیا گیا ہے۔ نعیم کی سیرت اور کردار کے حوالے سے اسے ایک سوانحی ناول بھی کہا جا سکتا ہے۔ تکنیک اور فنی اسلوب کے تعلق سے عبداللہ حسین کا ناولٹ ''باگھ'' خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ اس میں اصل [illegible] اعتبار سے بہت معنی خیز ہے۔ عبداللہ حسین کے دوسرے ناول ''قید'' اور ''نادار لوگ'' ہیں۔ ''قید'' ایک اہم [illegible]

REDMI NOTE 6 PRO
MI DUAL CAMERA

Scanned with CamScanner

کے جبر اور ظلم کو ناول کا موضوع بنایا ہے۔ رضیہ میر کا طفل شیر خوار جسے وہ سماجی دباؤ کے نتیجے میں مسجد کی سیڑھیوں پر چھوڑ آتی ہے 'مولوی احمد شاہ کے کہنے پر مار ڈالا جاتا ہے۔ وہ انتقام لیتی ہے اور نتیجتاً اسے پھانسی کی سزا دی جاتی ہے۔ عبداللہ حسین نے عورت دشمن معاشرے سے نبرد آزما رضیہ میر کے کردار کی تشکیل انتہائی فطری طور پر کی ہے۔ کالج کی ایک روشن خیال اور فعال طالبہ کس طرح ایک قاتلہ بن جاتی ہے اور کیوں بن جاتی ہے۔ عبداللہ حسین اس سوال کا جواب پاکستانی معاشرے کی خرابیوں میں ڈھونڈتے ہیں۔ ان کا سماجی مشاہدہ عورت کے تعین قدر کے مسئلے کو ناول کا موضوع بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ لیکن وہ سماجی حقیقت نگاری کے جوش میں ادبی اور فنی تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرتے۔ یہی ان کے ناولوں کی خوبی ہے۔

''خوشیوں کا باغ'' اور ''جنم روپ'' کے مصنف انور سجاد کے افسانوں کی طرح ان کے ناولٹ بھی اشاراتی اور علامتی نوعیت کے ہیں۔ ان کے یہاں واقعہ نگاری کی بجائے جذباتی اور ذہنی لہروں کے ذریعے کسی کردار کے وجود کا انکشاف کیا جاتا ہے اور ایک ایسی غیر حقیقی یا تصوراتی فضا تخلیق کی جاتی ہے کہ ناول کی تفہیم مشکل ہو جاتی ہے۔

جوگندر پال نے بھی علامتی ناول لکھے ہیں ان کے یہاں علامتی حقیقت نگاری کے ایک معنی خیز اسلوب سے کام لیا گیا ہے۔ ان کے کردار حقیقت پسندانہ ڈھنگ سے ہمارے سامنے آتے ہیں اور ان کے ناولوں کا علامتی کردار زیادہ گنجلک یا پیچیدہ نہیں ہے لہٰذا قاری آسانی سے ان کے کرداروں کی علامتی معنویت دریافت کر لیتا ہے۔ ان کے ناولوں کے نام بیانات' آمد و رفت' نادید اور خواب رَو ہیں۔

پیغام آفاقی کا ناول' مکان' زندگی کے تئیں فنکار کے سلوک' ناول کی فلسفیانہ تعمیر' فنی ساخت اور اسلوب کے اعتبار سے ایک اچھوتی تخلیق ہے۔ مکان کو کئی سطحوں پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اس ناول کی تفہیم پیچیدہ معاشرے کی کہانی کے طور پر بھی ہو سکتی ہے اور اسے ایک علامتی ناول بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کا علامتی کردار بیانیے میں ایک تہہ دار ڈھنگ سے متوازی طور پر ڈوبتا ابھرتا نظر آتا ہے۔ معاشرتی ناول کی حیثیت سے بھی اس کی تکنیک میں تازگی اور غیر معمولی ندرت ہے۔ مصنف نے خود کلامی' داخلی خود کلامی اور تلازمہ خیال جیسی فنی تدبیروں سے بھی کام لیا ہے۔ نیرا کے کردار کی روشنی میں ناول کی تفہیم کا ایک زاویہ نظر بھی ہو سکتا ہے کہ مکان ایک وجودی ناول ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ ناول عصر حاضر کی پیچیدہ تہذیب اور پہلو دار مسائل کی طرح اپنی فنی ساخت میں بھی ایک پیچیدہ تخلیق ہے۔

غضنفر ایک ایسے تخلیق کار ہیں جو افسانہ' شاعری' ناول ہر صنف میں تجربے کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔ ان کے ناولٹ پانی' کینچلی اور کہانی انکل شائع ہوئے ہیں۔ یہ تینوں ہی علامتی ناول کے ذیل میں آتے ہیں۔ ان کے بعد انہوں نے ''دویہ بانی'' اور ''وِش منتھن'' بھی علامتی پیرائے اور شاعرانہ اسلوب میں تحریر کیے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. ''فکر جدید'' سے کیا مراد ہے؟
2. ''شعور کی رو'' کے عناصر کیا کیا ہیں؟
3. ''علی پور کا ایلی'' کس کی تصنیف ہے؟
4. ''اداس نسلیں'' کے مصنف کے دیگر ناولوں کے نام بتائیے۔
5. جوگندر پال کے ناولوں کی خصوصیت کیا ہے؟

16.7 موجودہ صورتحال

اُردو ناول فرد اور سماج کی تیز رفتار ترقیوں اور تبدیلیوں کے ساتھ بدلتا اور سنورتا رہا ہے۔ اس کے رجحانات اور رویوں پر نظر ڈالیے تو کہا جاسکتا ہے کہ پہلا اہم رجحان کلاسیکی رجحان تھا جس پر ایک طرف رومانوی ادب اور دوسری جانب مغربی ناول نگاری کا اثر تھا [illegible] عبدالحلیم شرر اور مرزا رسوا کر رہے تھے۔ دوسرا رجحان سماجی حقیقت نگاری کا تھا جس کی تعمیر و ترقی میں پریم چند [illegible]

REDMI NOTE 6 PRO
MI DUAL CAMERA

Scanned with CamScanner

... کے یہاں بھی معاشرتی حقیقتوں کو پریم چند کے انداز میں پیش کیا گیا۔ اس کے متوازی اُردو میں رومانوی ناول کا اسلوب بھی پرورش پا رہا تھا۔ سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھپوری اور قاضی عبدالغفار کو اس باغیانہ رجحان کا نمائندہ کہا جا سکتا ہے۔ ترقی پسند تحریک کے تحت جس رجحان اور تخلیقی رویے کی آبیاری ہوئی اسے اشتراکی حقیقت نگاری اور انقلابی رومانویت کا ملا جلا رجحان کہا جا سکتا ہے۔ یہ تحریک اپنے نظریاتی مزاج کے اعتبار سے انقلابی تھی۔ لیکن اس کے لکھنے والے کرشن چندر، عصمت چغتائی، خواجہ احمد عباس اور خدیجہ مستور وغیرہ رومانوی خیالات سے بھی متاثر تھے۔ اس لیے ان کے یہاں یہ امتزاجی میلان نمایاں نظر آتا ہے۔ ناول میں کئی طرح کے تجربے بھی کیے گئے۔ اس لیے ایک رجحان تجرباتی ناول کا رجحان بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کا آغاز سجاد ظہیر کے ناول لندن کی ایک رات سے ہوا تھا جس میں شعور کی رو اور تلازمۂ خیال کی تکنیک کا استعمال کیا گیا تھا۔ بعد میں قرۃ العین حیدر، عزیز احمد، انور سجاد اور حال ہی میں جمیلہ ہاشمی اور ساجدہ زیدی نے اپنے ناولوں میں کئی طرح کے تجربے کیے۔ تاریخی ناول نگاری کا رجحان تو شرر کے دور سے اردو میں رہا ہے لیکن پچھلے دور میں قاضی عبدالستار، عزیز احمد، مستنصر حسین تارڑ (بہاؤ) اور جمیلہ ہاشمی نے سنجیدگی سے کئی اہم تاریخی ناول اردو فکشن کو دیے۔ جدیدیت کے زیر اثر بھی ممتاز مفتی، انتظار حسین، غضنفر، حسین الحق، عبداللہ حسین، انیس ناگی اور دوسرے ادیبوں نے ناول لکھے۔ ان ناولوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نفس موضوع کے ساتھ اُردو ناول میں فنی اور جمالیاتی تکمیل کا احساس بھی نئے قالب اختیار کرتا رہا ہے۔ اسی احساس کے ساتھ اُردو میں ناول نگاری کا سفر بڑے اعتماد اور وقار کے ساتھ جاری ہے۔ گزشتہ ربع صدی میں جو ناول منظر عام پر آئے اور جو ناول نگار حضرات و خواتین ہمارے درمیان موجود ہیں، اس کے پیش نظر بڑے وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو ناول نگاری کی موجودہ صورتحال کافی حوصلہ افزا ہے اور توقع کی جا سکتی ہے کہ آنے والے دنوں میں بھی اچھے ناول لکھے جاتے رہیں گے۔ عہد حاضر کے بعض ناول نگاروں مثلاً غضنفر، پیغام آفاقی، جوگندر پال، انور سجاد، عبداللہ حسین، انتظار حسین، جمیلہ ہاشمی، ساجدہ زیدی، قرۃ العین حیدر اور جیلانی بانو وغیرہ کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بے شمار ایسے فن کار ہیں جو ناول کے خزینے میں اضافے کا سبب بنے ہیں اور بعض کا قلم ہنوز چل رہا ہے۔

عبدالصمد نے اپنا مشہور ناول 'دو گز زمین' راست بیانیہ طرز میں لکھا ہے۔ اُن کے ایک اور ناول 'مہاتما' نے بھی شہرت حاصل کی ہے۔

بانو قدسیہ کے ناول 'راجہ گدھ' میں ایک ہی کہانی کو انسان اور جانور کے نقطۂ نگاہ سے بڑے فنکارانہ طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

الیاس احمد گدی کا 'فائر ایریا' اس عہد کا ایک اہم ناول ہے جس میں محنت کش طبقے کے مسائل کی نمائندگی کی گئی ہے۔

اقبال مجید کا ناولٹ 'نمک' فنی اعتبار سے کافی بلند مقام رکھتا ہے جس میں بدلتی ہوئی تہذیبی قدروں کو موضوع بنایا گیا ہے۔

اردو افسانے کی طرح ناولوں میں بھی جدیدیت کے رجحان نے علامتی و استعاراتی اسلوب اظہار کو رواج دیا۔ ایک اور اہم پیش رفت یہ ہوئی کہ تاریخ، فلسفہ، عمرانی نظریات، تصوف، ویدانت، جاتک کتھائیں، داستان، دیومالائی تصورات، قدیم فلسفۂ جمالیات، اساطیر اور ہندوستان کا قدیم تصور جنس وغیرہ بھی اردو ناولوں کے موضوع بنے۔ ظاہر بات ہے کہ ان تجربات نے ناول کے تخلیقی افق کو وسیع کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے لیکن عصر حاضر کے سماجی مسائل کی عکاسی ناولوں میں کم ہوتی جا رہی تھی۔ ادھر چند برسوں سے صورت حال تبدیل ہوئی ہے۔ افسانے کی طرح ناول میں بھی بیانیہ کی واپسی نے عصری مسائل کی عکاسی کی راہ ہموار کی ہے۔ خصوصاً بابری مسجد کے انہدام، فرقہ واریت، بنگلا دیش میں بہاری مسلمانوں کا مسئلہ، ہندو مسلم فسادات اور دوسرے سماجی مسائل پر ناول لکھے جا رہے ہیں۔

مشرف عالم ذوقی نے 'نیلام گھر' اور 'بیان' لکھا۔ فہیم اعظمی نے 'جنم کنڈلی'، انور خاں نے 'پھول جیسے لوگ'، ثروت ظفر نے 'آخری درویش'، شفق نے 'کانچ کے بازیگر'، مظہر الزماں خاں نے 'آخری داستان گو'، حسین الحق نے 'بولو مت چپ رہو' اور 'فرات' اور شموئل احمد نے 'ندی' لکھا۔ یہ بھی ناول عصری مسائل کی عکاسی کرتے ہیں اور ان میں نہ صرف یہ کہ موضوعات کا تنوع نظر آتا ہے بلکہ یہ تکنیک کے نقطۂ نظر سے بھی گوناگوں تجربات کے حامل ہیں۔ مثلاً حسین الحق کا ناول فرات فلیش بیک تکنیک کی اچھی مثال ہے۔ حال کے اردو ناولوں میں کردار نگاری کا پہلو نسبتاً کمزور ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ ناول صورت حال کی عکاسی تو کرتے ہیں لیکن فرد کے حوالے سے نہ کر کے اجتماعی صورت حال کو موضوع بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ناولوں میں امراؤ جان ادا (امراؤ جان)، ہوری (گئودان)، رانو (ایک چادر میلی سی) جیسے کردار نہیں ملتے۔ پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ... ناول نگاری کی موجودہ صورت حال کافی حوصلہ افزا ہے اور توقع کی جا سکتی ہے کہ آنے والے دنوں میں اچھے ناول لکھے جا...

REDMI NOTE 6 PRO
MI DUAL CAMERA

Scanned with CamScanner